گیارھواں پارہ

مولانا محمد اسلم شیخوپوری

دسویں پارہ کے آخر میں مخلص اہلِ ایمان کے علاوہ ان منافقوں کا تذکرہ تھا جنہوں نے مالی وسائل اور سواری کی استطاعت رکھنے کے باوجود غزوۂ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی، گیارھویں پارہ کی ابتداء میں بھی اہلِ نفاق کا تذکرہ ہے، اللہ نے اپنے نبی کو تبوک سے واپسی پر راستہ ہی میں اطلاع دے دی تھی کہ جب آپ مدینہ پہنچیں گے تو منافق آپ کے سامنے مختلف قسم کے اعذار پیش کریں گے کہ ہم انتہائی سخت مجبوریوں کی بناء پر آپ کے ساتھ غزوہ میں شریک نہ ہوسکے ورنہ ہم نے جانے کا تو پختہ ارادہ کر رکھا تھا، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور منافقوں نے قسمیں کھا کھا کر آپ کو اپنی سچائی کا یقین دلانے کی کوشش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مروّت اور شرافت کی بناء پر حقیقت کو جانتے ہوئے بھی خاموشی اختیار فرمائی اور انہیں جھوٹا قرار نہیں دیا، منافقوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے مخلص مسلمانوں کی صفات بیان فرمائی ہیں اور ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتے ہیں اور جھوٹ بول کر غلط کو صحیح قرار دینے کی کوشش نہیں کرتے، درمیان میں پھر منافقوں کا ذکر آگیا ہے جنہوں نے اسلام کو ضرر پہنچانے، کفر کے فروغ اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کے لئے ''مسجدِ ضرار'' تعمیر کی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے افتتاح کی درخواست کی تھی مگر اللہ نے اپنے نبی کو اس مسجد میں کھڑا ہونے سے بھی منع فرمایا۔ چنانچہ اس مسجد کو آپ کے حکم سے جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ مسجدِ ضرار کے مقابلے میں مسجدِ قبا کا اور اہلِ نفاق کے مقابلے میں ان اہلِ ایمان کا تذکرہ ہے جو اپنے مال اور اپنی جانیں حصولِ جنت کے لئے اللہ کی راہ میں وقف کر چکے ہیں، ان اہلِ ایمان کی نو ایسی صفات ذکر کی گئی ہیں جو ہر مؤمن کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے یعنی توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے

والے، سجدہ کرنے والے نیک کاموں کا حکم دینے والے، بُری باتوں سے منع کرنے والے اور اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (۹:۱۱۲)

غزوۂ تبوک میں شرکت سے جو لوگ محروم رہ گئے تھے ان میں تین ایسے مخلص مسلمان بھی تھے جن کے اخلاص اور ایمان میں کسی کو شک نہیں تھا، یعنی حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارۃ بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ان تینوں نے کوئی عذر نہیں تراشا بلکہ صاف صاف اعتراف کرلیا کہ پیچھے رہ جانے میں سراسر ہماری اپنی غلطی، سستی اور کاہلی کو دخل تھا، ان کے معاملہ کو الگ رکھا گیا تھا، یہاں تک کہ پچاس دن تک ان کا بائیکاٹ بھی کیا گیا لیکن پھر انہیں سچ بولنے کی وجہ سے ایسا نوازا گیا کہ ان کی توبہ کی قبولیت کا اعلان وحی کے ذریعہ سے کیا گیا، یہ اعلان ان کے لئے اتنی بڑی بشارت تھا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن مالک سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''جب سے تمہیں تمہاری والدہ نے جنا ہے آج سے زیادہ بہتر اور مبارک دن تم پر نہیں آیا۔'' ان حضرات کی قبول توبہ کا ذکر آیت ۱۱۸-۱۱۷ میں ہے۔ اگلی آیات میں اہلِ ایمان کو چار اہم باتوں کی تاکید کی گئی ہے:

پہلی یہ کہ وہ خفیہ اور علانیہ تقویٰ کو لازم پکڑے رکھیں۔ دوسری یہ کہ وہ اہلِ نفاق سے دور رہتے ہوئے صرف سچوں کی صحبت اختیار کریں۔ تیسری یہ کہ وہ رزق کی تنگی اور کشادگی میں اللہ کے رسول کو اپنے اوپر ترجیح دیں۔ چوتھی بات حقیقت میں اللہ کی طرف سے وعدہ ہے کہ ہر قسم کی عبادت اور اطاعت کا اللہ کی طرف سے اجر مل کر رہے گا اور یہ کہ اللہ کے دین کے لیے جس قدر مشقت اٹھائی جائے گی اتنا ہی اجر و ثواب عطا ہوگا۔ (۹:۱۲۰-۱۲۱)

جہاد کی فضیلت اور اہمیت کے باوجود حکم دیا گیا ہے کہ سارے ہی مسلمانوں کو جہاد میں نہیں چلے جانا چاہیے بلکہ لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود رہنا چاہیے تاکہ آپ سے دین کی سمجھ حاصل کریں۔ (۹:۱۲۲) اسلام کو اپنی دعوت کی ابتدا میں جیسے دشمنوں کی طاقت توڑنے کے لیے جہاد کی ضرورت تھی یونہی ان بنیادوں کی بھی ضرورت تھی جن پر اسلامی مملکت

کی عمارت کھڑی کی جاسکے اس مقصد کے لیے شرعی احکام کے نزول کا سلسلہ مستقل جاری تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے افراد کی تیاری میں ہمہ تن مصروف تھے جو مستقبل کے مدرّس، مربی، معلّم، قاضی، حاکم، عامل اور منتظم بن سکیں، اس لیے حکم دیا گیا کہ مسلمانوں کی معتدبہ تعداد کو مدینہ میں ہی رہنا چاہیے تاکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کرسکیں اسلامی مملکت کی ضروریات سے قطع نظر فی ذاتہ بھی علم دین حاصل کرنا بہت بڑا عمل ہے، اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرمادیتا ہے'' یہ بھی آپ ہی کا ارشادِ گرامی ہے کہ ''ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ثابت ہوتا ہے''۔

جہاد کے لئے ایک اہم اصول یہ بتایا گیا ہے کہ الاقرب فالاقرب کے ضابطہ کے تحت جہاد کیا جائے ،یعنی قریب کے کفار سے جہاد کرتے ہوئے اس کا دائرہ دور تک وسیع کیا جائے۔ (۹:۱۲۳)

سورۂ توبہ کی آخری آیات میں دوبارہ منافقین کی مذمت کی گئی ہے کہ ان حرماں نصیبوں کو قرآن سے بھی کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ فکر و عمل کے اعتبار سے ان کی نجاست ہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور اس سورت کی آخری آیت میں اللہ نے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف بیان فرمائی ہے اور آپ کے لیے اپنے اسماءِ حسنٰی میں سے دو نام منتخب فرمائے ہیں یعنی رؤف اور رحیم۔ اور اس میں شک نہیں کہ آپ اپنی اُمت بلکہ ساری انسانیت کے حق میں بے حد شفیق اور مہربان تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں میں سے یہ دو نام آپ کے سوا کسی کے لئے بھی جمع نہیں فرمائے۔

سورۂ یونس

سورۂ یونس مکی ہے، اس میں ۱۱۹ آیات اور ۱۱ رکوع ہیں، اس سورت میں ایمان کے بنیادی ارکان اور عقائد اور بالخصوص قرآن کریم سے بحث کی گئی ہے۔ سورت کی ابتداء کتاب اللہ، اور رسول اللہ کے ذکر سے ہوتی ہے، بتایا گیا ہے کہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت سے کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ آپ کی بعثت کوئی نئی بات نہیں بلکہ ہر اُمت میں

کوئی نہ کوئی رسول آتا رہا ہے۔اس کے بعد ربوبیت، الوہیت اور عبودیت کی حقیقت اور خالق مخلوق کے درمیان تعلق کی بنیاد بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے جو رب اور خالق ہے وہی معبود بننے کے لائق ہے، کائنات کا یہ سارا نظام اس کی ربوبیت اور قدرت پر گواہ ہے۔(۱۰:۶) اس نظام اور دلائل قدرت میں غور وفکر کے بعد انسان دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں، تکذیب کرنے والے اور تصدیق کرنے والے۔تکذیب کرنے والوں کا انجام آگ اور تصدیق کرنے والوں کا انجام دائمی باغات ہیں۔(۱۰:۷)

تکذیب کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ انسان کی فطرت میں عجلت ہے یہاں تک کہ یہ بعض اوقات اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لئے عذاب اور ہلاکت کی دعائیں مانگتا ہے۔(۱۰:۱۱) ان جھٹلانے والوں کا حال یہ ہے کہ یہ قرآن کو جھٹلانے اور اس کا مذاق اڑانے سے بھی باز نہیں آتے اور اللہ کے نبی سے استہزاء کے طور پر کہتے ہیں کہ آپ کوئی دوسرا قرآن لے آئیں یا اسی میں کچھ تبدیلیاں کردیں، آپ نے جواب دیا کہ مجھے ان میں سے کسی بات کا اختیار نہیں میں تو وحی کی اتباع کا پابند ہوں، کیا تم سمجھتے ہو کہ میں نے معاذ اللہ! یہ کلام خود بنا کر اللہ کی طرف منسوب کردیا ہے، میں تمہارے اندر زندگی کے چالیس سال گزار چکا ہوں، تم نے مجھے کبھی جھوٹ بولتے ہوئے سنا ہے؟ یا کسی استاد سے علم حاصل کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ اگر نہیں سنا اور نہیں دیکھا تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں یکا یک جھوٹ بولنا شروع کردوں یا ایسا معجزانہ کلام تمہارے سامنے پیش کردوں؟ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ میں انسانوں پر تو جھوٹ نہ بولوں اور اللہ پر جھوٹ بولنے کی جرأت کرلوں؟ آپ کی سیرت کی صفائی اور زبان کی صداقت کا یہی وہ پہلو تھا جس کا دشمن بھی اعتراف کرنے پر مجبور تھے، ابوسفیان سے زمانۂ کفر میں جب روم کے بادشاہ ہرقل نے سوال کیا تھا کہ کیا دعویٰ نبوت سے پہلے تم نے کبھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹ بولتے ہوئے سنا ہے؟ تو کافر اور مشرک ہونے کے باوجود ابوسفیان بھی اس سوال کا جواب نفی میں دینے پر مجبور ہوگیا تھا اور ہرقل نے اس کا جواب سن کر کہا تھا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ

تو جھوٹ نہ بولے اور اللہ پر جھوٹ بولنا شروع کردے۔

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مشرکین نے بچپن سے نزولِ قرآن کے زمانہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مشاہدہ کیا تھا وہ جانتے تھے کہ آپ نے نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا، نہ کسی استاد کی شاگردی اختیار کی پھر چالیس سال گزر گئے تو آپ یکا یک ایک عظیم کتاب ان کے پاس لے کر آ گئے جو علمِ اصول کے نوادر، علمِ احکام کی باریکیوں، علمِ اخلاق کے لطائف اور پہلوں کے واقعات کے اسرار پر مشتمل تھی اور جس کی فصاحت و بلاغت کا مقابلہ کرنے سے بڑے بڑے ادیب اور شاعر عاجز آ گئے، ہر وہ شخص جسے عقلِ سلیم عطا کی گئی ہے وہ جانتا ہے کہ یہ سب کچھ وحی کے بغیر نہیں ہوسکتا ہے۔

اگلی آیات میں آیات مشرکین کی بت پرستی اور توحید کے دلائل مذکور ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ سختی اور مصیبت کے وقت بڑے سے بڑے مشرک بھی جھوٹے معبودوں کو بھول کر سچے معبود کو پکارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔(۱۰:۲۲) پھر تلقین کے انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا ہے کہ آپ ان سے سوال کریں کہ ”تمہیں آسمان اور زمین سے رزق کون دیتا ہے؟ یا تمہارے کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ اور بے جان سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان کو کون پیدا کرتا ہے؟ تو آپ پوچھئے کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے ہو۔“(۱۰:۲۳)

قرآن کی صداقت کے حوالے سے انہیں چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر یہ انسانی کلام ہے تو تم بھی اس جیسی کوئی سورت بنا کر دکھا دو اور اس مقصد کے لیے عرب وعجم میں سے جسے بلانا چاہتے ہو بلا لو، پھر اللہ نے ان کی تکذیب کا سبب خود ہی بیان فرما دیا، وہ یہ کہ انسان کی طبیعت ایسی ہے کہ وہ جس چیز سے جاہل ہوتا ہے اور اس کی حقیقت سمجھ نہیں پاتا تو سرے سے اس کا انکار ہی کر دیتا ہے۔(۱۰:۳۹) مشرکین نے توحید، بعث بعد الموت اور قرآن کی صداقت کا جو انکار کیا تو اس کی ایک بڑی وجہ ان کی جہالت اور عدمِ علم بھی تھا۔اس سورت میں انہیں کہیں زجر اور تنبیہ کے ساتھ اور کہیں نصیحت اور خیر خواہی کے انداز میں ان تینوں بنیادی عقائد کے بارے میں ہٹ

دھرمی چھوڑنے اور ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔قرآن کریم کی اعلیٰ صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''اے لوگو! تمہارے لیے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے، تو کہہ دیجئے کہ یہ کتاب اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے نازل ہوئی ہے تو چاہیے کہ لوگ اس سے خوش ہوں، یہ اس (مال و دولت) سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں۔'' (۱۰:۵۷)

توحید کے دلائل، بعث بعد الموت کا یقینی ہونا اور قرآن کریم کی صداقت بیان کرنے اور مشرکین کے مزعومات کی تردید کے بعد عبرت اور نصیحت کے لیے تین قصے بیان کیے گئے ہیں، جن میں سے پہلا قصہ شیخ الانبیاء حضرت نوح علیہ السلام کا ہے، جن کی عمر اور زمانہ تبلیغ تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ طویل مگر ان کے متبعین بہت کم تھے، پھر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے جنہوں نے فرعون جیسے خدائی کے دعویدار کا مقابلہ کیا، تیسرا قصہ حضرت یونس علیہ السلام کا ہے اور انہی کے نام پر اس سورت کا نام رکھا گیا ہے۔قرآن کریم میں حضرت یونس علیہ السلام کا صراحۃً نام چار جگہ آیا ہے اور دو مقامات پر انہیں ''مچھلی والے'' کی صفت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، وہ اپنی قوم کے ایمان سے مایوس اور اللہ کا عذاب آنے کو یقینی دیکھ کر ''نینویٰ'' کی سرزمین چھوڑ کر چلے گئے، آگے جانے کے لیے جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی والوں نے انہیں نگل لیا، اللہ نے انہیں مچھلی کے پیٹ میں بھی زندہ رکھا، بالآخر چند روز بعد مچھلی نے ساحل پر اُگل دیا، اُدھر یہ ہوا کہ ان کی قوم کے مرد اور عورتیں، بچے اور بڑے سب صحراء میں نکل گئے اور انہوں نے آہ وزاری اور توبہ واستغفار شروع کر دیا اور سچے دل سے ایمان قبول کر لیا جس کو وجہ سے اللہ کا عذاب ان سے ٹل گیا۔یہ تین قصے ذکر کرنے کے بعد مشرکین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر وہ کفر وشرک سے باز نہ آئے تو قیامت سے پہلے ہی ان پر عذاب آسکتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کو بشارت سنائی گئی ہے کہ اللہ کی مدد قریب ہے، یہ ہماری سنت ہے کہ ہم بالآخر اہلِ ایمان کو نجات دیتے ہیں، جیسے سورۂ یونس کی ابتداء قرآن حکیم کے ذکر سے ہوئی تھی اسی طرح اس کی انتہاء بھی اس سچی کتاب کی اتباع

اور پیروی کے حکم پر ہو رہی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

”فرمادیجیے اے انسانو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے حق (قرآن) آچکا ہے تو جو کوئی ہدایت حاصل کرتا ہے تو اس ہدایت کا فائدہ اسی کو ہوگا اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو اس گمراہی کا وبال اسی پر پڑے گا اور میں تم پر وکیل نہیں ہوں اور (اے پیغمبر!) آپ اسی کی اتباع کیجئے جو کلام آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے اور صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کردے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔“

☆......☆......☆

پیشکش: ابوزبیر

[www_alkalam_pk@yahoo.com]